



دہشت گرد یا جہادی

القاعدہ، کالعدم نہیں و جہادی جماعتیں کے جنگجویں کے حالات اور سرگرمیوں پر تحقیقی کتاب

مقبول ارشد



مشعل

پیش لفظ

وہ بہت پریشان تھا۔ اگلے جہان پہنچ جانے کا خوف اس کے پورے وجود پر طاری تھا لیکن اسے بتایا گیا تھا کہ جنت میں اس کا انتظار ہو رہا ہے۔ یہ وہ دلیل تھی جس نے اسے پر سکون اور مطمئن کر رکھا تھا۔ سارے راستے وہ دعائیں پڑھتا رہا۔ گاڑی میں بیٹھے ہوئے بھی اس کے ہاتھ نہیں کپکپائے۔ آخری لمحات میں موت سے قریب ہوتے ہوئے وہ بہت اعتماد سے آگے بڑھا۔ وہ جانتا تھا کہ کچھ ہی لمحوں بعد وہ اس دنیا میں نہیں ہو گا لیکن اس کے قدم پھر بھی نہیں ڈگ گائے۔ کیسی ہمت اور کیسا جذبہ تھا؟ اس نے اپنی زندگی کی آخری حرکت کی اور ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ گیا۔ اس کا وجود ختم ہو چکا تھا۔ اپنے ساتھ وہ 14 ہم وطنوں اور ہم مذہب لوگوں کو بھی موت کے اندر ہیروں تسلی لے جا چکا تھا۔

وہ کون تھا؟ اس نے یہ خطرناک اقدام کیوں کیا؟ کس نے اسے ایسا کرنے کو کہا؟ اس کا پس منظر کیا ہے؟

کوئی بھی انسان اس طرح اپنی جان نہیں دے سکتا۔ یقیناً اسے کسی نے یہ قدم اٹھانے کے لیے قائل کیا ہو گا۔ اسے تربیت دی ہو گی۔ اسے یہ امید دلائی ہو گی کہ یہ ”جہاد“ ہے اور اس کے اس اقدام کے بعد ”جہاد“ زندہ ہو جائے گا اور وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔

جنت میں جانے کا خواب کون نہیں دیکھتا بلکہ اخراج نے اپنے اس خواب کی تعبیر پانے کے لیے موت کو گلے لگایا۔ کیا اس خودکش حملہ آور کے یقیناً اٹھانے سے ”جہاد“ زندہ ہو گیا؟ شر کا خاتمہ ہو گیا؟ ان تمام سوالات کے جوابات کا تجربہ یقیناً ان تنظیموں اور گروپوں نے ضرور کیا ہوگا جنہوں نے اسے یہ سب کچھ کرنے پر مجبور کیا۔ وہ تنظیمیں اور گروپ جانتے ہیں کہ پاکستان میں منبر و محراب سے جہاد کی صدائیں بلند ہوتی ہیں اور اپنے عقائد کی سر بلندی کے لیے شہادت کو ایک منطقی منزل خیال کیا جاتا ہے۔ اس لیے یہاں ایسے نوجوانوں کی بڑی تعداد موجود ہے جنہوں نے روئی فوج کا مقابلہ کرنے کے لیے مذہبی جہادی جماعتوں اور مدارس سے باقاعدہ نظریاتی اور عسکری تربیت حاصل کی اور پھر جہاد میں حصہ لیا۔ روس ٹوٹ گیا اور جہاد ختم ہو گیا لیکن پھر جہاد کے معنی اور مرکز بدل گئے۔ ان نوجوانوں کے گھروں میں جو کسی نہ کسی حوالے سے اس جنگ سے متاثر ہیں اب بھی وہی جذبہ موجود ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک جہاد ابھی ختم نہیں ہوا بلکہ حکمران مردہ ہو گئے ہیں۔

اس خودکش حملہ آور کو بھی شاید یہی کچھ سمجھایا اور بتایا گیا تھا کہ امریکی غلامی میں چلے جانے والے حکمرانوں، اپنے ہم منصب مسلمان بھائیوں اور غیر مسلم اہداف پر حملے کرنا ”جہاد“ ہے۔ اس ”جہاد“ کا ایک اور سبب دینی مدارس اور انتہا پسند کا عدم تنظیموں کے خلاف جزل پرویز مشرف کے اقدامات بھی تھے۔

نانِ ایون کے بعد جزل مشرف نے مغرب کو دو یقین دہانیاں کرائی تھیں۔

اول یہ کہ وہ پاکستان میں قائم دینی مدارس اور دیگر مذہبی اداروں سے انتہا پسندی کا خاتمہ کر دیں گے اور دوسری یہ کہ وہ ملک کی مذہبی اور جہادی جماعتوں کو کنیل ڈال لیں گے۔ جزل مشرف کی اس یقین دہانی کے بعد امریکہ نے پاکستان کے لیے اپنے خزانے کے منہ کھول دیئے تاہم تمام تر یقین دہانیوں اور جزل مشرف کے ٹھوں اقدامات کے باوجود امریکہ یہی سمجھتا ہے کہ جزل مشرف نے وعدے پورے پورے نہیں کئے۔ مغرب کے لیے خطرنال مذہبی و جہادی تنظیمیں بدستور پاکستان میں مختار ہیں اور مدارس ایسے انتہا پسندانہ نظریاتی کی کلیدی آماجگاہ بن چکے ہیں جہاں سے دہشت گردی کے نیٹ ورک کے لیے جنگجوؤں کو بھرتی کیا جاتا ہے۔ بعض امریکی دانشوار اور صحافی تو یہ بھی کہتے ہیں کہ پاکستان میں بڑھتی ہوئی انتہا پسندی پر قابو نہ پانے

کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ فوج نہیں چاہتی کہ یہ سب کچھ ختم ہو۔

13 نومبر 2003ء کو پاکستان میں تعینات اس وقت کی امریکی سفیر نیشنی پاؤل نے اپنی حکومت کی جانب سے اس بات پر گہری تشویش کا اظہار کیا تھا کہ حکومت پاکستان کی طرف سے دہشت گرد قرار دی گئی تنظیمیں اور گروپس دوبارہ منظم ہو رہے ہیں اور ان کے لیڈرز اپنی میں ہو جانے والی تنظیموں کے نئے نام رکھ کر حکلم کھلا اپنی سرگرمیوں میں مشغول ہو چکے ہیں۔ یہ تنظیمیں اور گروپس خود پاکستان کے علاوہ پورے خطے اور خصوصاً امریکہ کے لیے خطرے کا باعث بن سکتے ہیں۔

امریکی سفیر کی یہ وارنگ بالکل واضح اور صحیح وقت پر سامنے آئی تھی۔ 14 دسمبر اور پھر 11 دن بعد 25 دسمبر کو جزل پرویز مشرف پر دو قاتلانہ حملوں نے اٹلی جنس اور سیکورٹی اداروں کی نیندیں اڑا دیں کیونکہ ابتدائی تحقیقات سے ہی یہ ثابت ہو گیا تھا کہ پاکستان کی کالعدم انتہا پسند تنظیموں اور دہشت گردی کے میں الاقوامی نیٹ ورک کے درمیان رابطے موجود ہیں۔ یہ حقیقت سامنے آنے کے بعد کالعدم انتہا پسند جماعتوں کے کارکنوں کے خلاف کریک ڈاؤن شروع کیا گیا لیکن اس کریک ڈاؤن سے پہلے ہی وہ لوگ روپوش ہو گئے جن کی حکومت کو تلاش تھی۔ چنانچہ سارا المیہ چھوٹے کارکنوں پر گرا جو صرف بظاہر ”جہاد“ کی سر بلندی کے لیے جدوجہد کر رہے تھے اور ان کا دہشت گردی کی بڑی کارروائیوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

2002ء میں جب ایف بی آئی نے پاکستان اٹلی جنس کے تعاون سے افغانستان سے فرار ہو کر پاکستان میں روپوش ہو جانے والے القاعدہ کے جنگجوؤں کے خلاف آپریشن کا آغاز کیا تو اسے کئی بڑی کامیابیاں ملیں۔ القاعدہ کی ناپ لیڈر شپ کی کراچی راوی پنڈی اور فیصل آباد سے گرفتاری نے یہ ثابت کر دیا کہ القاعدہ کے جنگجو پاکستانی معاشرے میں گھل مل جانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ بعد ازاں جب 2003ء میں فوج نے قبائلی علاقوں میں ان جنگجوؤں کے خلاف آپریشن کیا تو یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ بعض قبائلی سردار نہ صرف مختلف ملکوں سے تعلق رکھنے والے القاعدہ کے ان جنگجوؤں کی مدد کر رہے تھے بلکہ انہیں فرار ہونے کے راستے بھی مہیا کر رہے تھے۔ اس مقصد کے لیے ان جنگجوؤں نے پیسے پانی کی طرح بھایا۔ فوج کے ان جنگجوؤں کے خلاف آپریشن وہاں ہونے والی مزاحمت اور اٹلی جنس روپرتوں نے بعد ازاں یہ

بات ثابت کر دی کہ قبائلی علاقوں میں موجود القاعدہ کے یہ ملکی اور غیر ملکی جنگجوی ملک میں امن و امان کی خراب صورت حال، خودکش بم، دھاکوں اور مغربی اہداف پر حملوں کے ذمہ دار ہیں اور یہ مقامی کالعدم انتہا پسند تنظیموں کے ان ارکان کے ساتھ گٹھ جوڑ کر کے اپنی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے ہیں جنہوں نے افغانستان میں تربیت حاصل کی تھی۔

مزہبی و جہادی جماعتوں کا لعدم قرار دی جانے والی تنظیموں کے علاوہ کم و بیش ایک سو سے زائد افراد سے حاصل ہونے والی معلومات اور پھر اپنے طور پر تحقیق کر لینے کے بعد جب میں نے پوری کتاب لکھ لی تو میرے جس کمپیوٹر میں یہ کیپوز شدہ کتاب موجود تھی وہ کمپیوٹر پر سر ار طور پر غائب ہو گیا۔ یہ کیسے ہوا؟ اس بات کا آج تک پہنچنیں چل سکا۔ چنانچہ مجھے دوبارہ محنت کرنا پڑی۔ میں نے تمام ترقائق کو سامنے رکھتے ہوئے کتاب میں مبینہ طور پر ہیر و سے دہشت گرد قرار دیے جانے والے القاعدہ اور کالعدم جماعتوں کے پاکستان سے جڑے جنگجوؤں کا تذکرہ کیا ہے۔ ان میں سے کچھ گرفتار ہو گئے، کچھ مارے گئے اور بعض تاحال روپوش ہیں اور اٹھیں جسں ایکنیساں سرکردگی سے ان کی تلاش جاری رکھے ہوئے ہیں۔ اس کتاب کو ان جنگجوؤں کے خلاف کوئی چارج شیٹ نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس میں ان حالات و واقعات کی تصویر پیش کی گئی ہے کہ کس طرح جہاد کے نام پر دہشت گردی کا کھیل کھیلا جا رہا ہے؟ یہ جنگجو اور ان کی تنظیمیں کیا چاہتی تھیں؟ ان کے خیالات، نظریات، جدو جہاد اور سرگرمیاں کیا رہیں اور کیا ہیں؟ کن حالات و واقعات نے انہیں ہیر و سے دہشت گرد بنا دیا؟ اور وہ کون سی وجوہات تھیں جس کی وجہ سے یہ لوگ تشدد اور انتہا پسندی کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے؟ جہاد سے دہشت گردی تک کے اس سفر میں ان کے ساتھ کیا کچھ ہوا اور کس طرح ہوا؟ اس کتاب میں ان تمام تشنہ طلب باتوں کو بتانے کی کوشش کی گئی ہے۔

مقبول ارشد

لاہور

Email: maqboolarshad@fact.com.pk



خالد شیخ

..... 2003 اپریل کیم

رات کے اوڑھائی بجne میں کچھ منٹ باقی تھے۔ راولپنڈی کے علاوہ ولیم رج میں سابق صدر جزل ضیاء الحق کے صاحبزادے اور مذہبی امور کے وفاقی وزیر اعجاز الحق کی کوئی سے چند گزر دور نثار روڈ پر واقع مکان نمبر 18-L کو ایف بی آئی اور پاکستان انٹلی جس ایجنسیوں کے بہت سے افراد نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ ان سب کے پاس جدید قسم کا آتشیں اسلحہ تھا۔ باہر سڑک پر بھی خفیہ انداز میں کچھ لوگ کی چہل پہل تھی۔ یہ سب سرگرمیاں انتہائی پراسرار انداز میں ہو رہی تھیں۔ سڑک پر گھری گاڑیوں کی ہیئت لائیں بھی بند تھیں۔ جس مکان کو گھیرے میں لیا گیا تھا وہ جماعتِ اسلامی کی ایک خاتون ناظمہ کا تھا جن کے شوہر معروف ڈاکٹر تھے۔ ان کا ایک بیٹا فوج میں اعلیٰ عہدے پر تھا اور وہ کہو شہ میں خدمات انجام دے رہا تھا۔ اس مکان پر رات کے اس پھر چھاپہ مارنے سے قبل ایف بی آئی اور پاکستان انٹلی جس کے حکام نے ایک مینٹ میں پوری منصوبہ بندی کی تھی۔ اعلیٰ حکام کو اعتماد میں لیا گیا تھا کیونکہ ان کے پاس منتظر اطلاع موجود تھی۔ جیسے ہی گھری کی سویوں نے ڈھائی بجائے۔ ایک آدمی نے مکان کے باہر گلی بیتل بجائی جس پر ڈاکٹر اے کیوں کھلا ہوا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی بیسوں افراد نے اندر دھاوا بول دیا۔ ایک

کمرے سے غیر ملکی کو حرست میں لیا گیا اور اسے فوری طور پر آٹو میک ہٹکٹریاں پہنا کر آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔ دو مزید افراد کو بھی حرست میں لے کر گاڑیوں میں بٹھایا گیا۔ یہ سب کچھ آنفاؤنا اور اس پورے آپریشن کے دوران ذرا سی بھی مزاحمت نہیں ہوئی۔ جس وقت اس غیر ملکی کو حرست میں لیا گیا وہ سورہ تھا۔ حرست میں لئے جانے والوں کو فوری طور پر ایک سیف ہاؤس میں پہنچایا گیا اور وہاں اس کے نام کی تصدیق ہوتے ہی آپریشن میں شریک امریکیوں نے سی آئی اے کے سربراہ جارج ٹینٹ کو مطلع کیا۔ امریکی صدر بخش اس روز ویک اینڈ کی وجہ سے واسٹ ہاؤس کی بجائے اپنی سرکاری تفریق گاہ کمپ ڈیوڈ میں تھے۔ جارج ٹینٹ نے اس کا میاب آپریشن میں اسامہ بن لادن کے دست راست اور القاعدہ کے آپریشنل چیف خالد شیخ محمد کی گرفتاری کی اطلاع بخش کی قومی سلامتی کی مشیر کنڈولیز ار اس کو دی۔ اس وقت امریکہ میں صح کے سات بجے تھے۔ یہ بڑی خبر سننے ہی کنڈولیز ار اس نے بخش کے کمرے کی طرف دوڑ لگا دی اور انہیں صح سات بجے بیدار کر کے خالد شیخ کی گرفتاری کی اطلاع دی۔

خالد شیخ کی گرفتاری انتیلی جنس ایجنسیوں کی ایک بہت بڑی کامیابی تھی کیونکہ وہ القاعدہ کا سب سے اہم رہنماء اور نائیں الیون کے واقعات کا ماسٹر مائنڈ تھا۔ امریکی حکام کے لیے یہ اطلاع بڑی اہم تھی کہ اسے جماعت اسلامی کی خاتون رہنماء کے گھر سے گرفتار کیا گیا ہے۔ خالد شیخ اور امریکی انتیلی جنس میں آنکھ چھوٹی نائیں الیون کے واقعات سے بہت پہلے جاری تھی۔ 1995ء میں پکڑی جانے والی امریکی جہازوں کی بحراکاہل پر تباہی کی سازش کے اکشاف کے بعد وہ ایف بی آئی اور سی آئی کی توجہ کا مرکز بنا تھا۔ سرکاری حکام کے مطابق اپنے دہشت گردی کے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے اس نے اپنی تمام تر صلاحیتیں استعمال کیں اور روایتی کار بم دھماکوں، سیاسی قتل، طیاروں سے بمباری، ہائی جینگ، آبی ذخیرہ میں زہر ڈالنا اور طیاروں کو گائیڈ میزائلوں کے ذریعے ذراہ کرنے جیسے تمام اقدامات کو بیکجا کیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اتنے خطرناک شخص کی راولپنڈی سے گرفتاری کتنا بڑا واقعہ تھا۔ اگرچہ جماعت اسلامی کی خاتون ناظمہ کے جس گھر سے خالد شیخ کو گرفتار کیا گیا ان کا آج بھی بھی دعویٰ ہے کہ ہمارے گھر سے خالد شیخ گرفتار نہیں ہوا اور ان کا موقف یہی ہے کہ اس چھوٹے سے باپر دہ گھر میں کسی کو پناہ دینا ممکن نہیں۔ یہ یہ کیفیت کا فوجی علاقہ ہے جہاں صرف فوجی افراد کے گھر اور

دفاتر ہیں۔ یہاں ہر اجنبی کو چیک کیا جاتا ہے۔ یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ دنیا کا مطلوب ترین دہشت گرد فوجی علاقے میں آرام سے رہ رہا ہو؟

خالد شیخ کی راولپنڈی سے گرفتاری ایف بی آئی کے ساتھ پاکستانی ایجنسیوں کی القاعدہ کے خلاف بہت بڑی کامیابی تھی کیونکہ امریکی حکام سمجھتے تھے کہ خالد شیخ ہی ایک ایسا آدمی ہے جو اسمامہ اور ایمن الظواہری کے ٹھکانوں اور منصوبوں کے بارے میں کچھ بتا سکتا ہے۔

ایک پلے بوائے کی حیثیت سے مشہور خالد شیخ کی زندگی میں 90ء کی دہائی کے بعد بہت سی تبدیلیاں آئیں۔ 90ء کی دہائی میں وہ ایک انتہائی دولت مند آدمی کے روپ میں عبدالماجد کے نام سے نیلا میں رہتا تھا۔ وہ اکثر اپنے ایک ساتھی عبدالباسط کے ساتھ گھومتا، کلبوں میں جاتا جس کی وجہ سے نیلا کے مقامی لوگ اسے ایک ایسا پلے بوائے سمجھتے تھے جو ہر وقت خواتین کو متاثر کرنے میں مصروف رہتا تھا۔ اسی دوران (نیلا میں ہی) اس کا ایک خاتون سے معاشرہ شروع ہو گیا۔ ایک بار اس نے اپنے موبائل فون سے محبوبہ کوفون کیا اور اسے فوراً آسمان کی طرف دیکھنے کو کہا۔ جب اس خاتون نے نگاہ اور پر کی تو وہ فضا میں محپرواز تھا اور ہوائی جہاز کے کاک پٹ میں بیٹھا ہاتھ ملا رہا تھا۔ یہ حقیقت بہت بعد میں سامنے آئی کہ عبدالماجد ہی دراصل خالد شیخ محمد حس کامش امریکہ کی تباہی تھا اور اس کا درست باسط ہی دراصل اس کا بھتیجا مردی یوسف تھا۔ جہازوں کے ذریعے امریکہ کی بڑی عمارتوں کو اڑا کر جہاد کرنا ان چچا بھتیجوں کا مشن تھا اور اس مشن کے تحت ہی دونوں نے 1993ء میں بھی ولڈ ٹریڈ سنٹر کو اڑانے کی منصوبہ بنندی کی تھی۔

امریکی انتیلی جس حکام کے مطابق خالد شیخ انتہائی خطرناک افراد میں سے ایک ہے لیکن وہ ابھی تک اپنے دعویٰ کے مطابق وہ یہ پتہ نہیں چلا سکے کہ آخر اس نے دہشت گردی کا یہ راستہ کیوں چنا؟

خالد شیخ ایام جوانی میں دنیا بھر میں گھوما اور کہا جاتا ہے کہ 90ء کی دہائی میں ہی وہ امریکہ کے خلاف بڑے حملے کی منصوبہ بنندی میں شامل ہو چکا تھا۔ خالد شیخ کا تیار کردہ منصوبہ صرف امریکہ کی تباہی تھا جس کا کوڈ نام Explosion تھا۔ یہ منصوبہ خالد شیخ نے اپنے بھتیجے رمزی یوسف کے ساتھ مل کر بنایا تھا۔ جس کے تحت ایک ہی دن 12 مسافر طیاروں کواغوا کرنا اور انہیں

فضا میں ہی تباہ کرنا تھا لیکن اس منصوبے پر عملدرآمد نہ ہو سکا اور یہ منصوبہ اس وقت ناکام ہو گیا جب فیلا میں رمزی کا ایک ساتھی عبدالحکیم مراد دھماکہ خیز مواد کو ملاتے ہوئے دھماکے کے باعث حکام کی نظروں میں آ گیا۔ عبدالحکیم نے انہی جنس حکام کو بتایا کہ رمزی یوسف نے اس کے ساتھ ایک طیارہ اغوا کر کے سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر سے لکرانے کے منصوبہ پر بات کی تھی لیکن یہ صرف فدائی حملہ تھا۔ اس وقت امریکی حکام یہ اندازہ نہیں لگائے کہ خالد شیخ کتنا خطرناک شخص ہے۔ اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوا جب نائیں الیون کے بعد ابو زیدہ کو گرفتار کیا گیا۔ فیلا میں اپنے ساتھی کے پکڑے جانے کے بعد رمزی پاکستان آ گیا اور پھر یہاں سے گرفتار ہو گیا اور اب وہ امریکی جیل میں قید کی زندگی نزار ہا ہے۔

خالد شیخ کی زندگی پر اگر ایک نظر ڈالی جائے تو یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ مہم جوئی اس کی طبیعت کا خاصہ تھی۔ وہ اپنے سے تین برس چھوٹے سمجھتے رمزی یوسف کی طرح کویت میں پلا ہڑھا۔ اس کی پردوش ایک مذہبی خاندان میں ہوئی۔ اس کے دعوے کے مطابق اس نے صرف سولہ برس کی عمر میں اخوان المسلمین میں شمولیت اختیار کی اور نوجوانوں کے کمپ میں جہاد کا دیوانہ ہو گیا۔ 1983ء میں سینئری سکول سے گرجویشن کے بعد اس نے کویت چھوڑ دیا اور چاون کالج سرفراز یورو شامی کیر و لینا جوائن کیا۔ ایک سیمسٹر مکمل کرنے کے بعد اس نے نازکھ کیر و لانا ایگر کلچر اینڈ میکنیکل اسٹیٹ یونیورسٹی گرینس یورو میں تاباہ کرالیا۔ یہاں پر اس نے رمزی یوسف کے بھائی کے ساتھ تعلیم حاصل کی اور دسمبر 1986ء میں میکنیکل انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی۔

ہر چند کہ خالد شیخ امریکہ میں اپنے قیام کے دوران اسلامی انتہا پندی کی جانب راغب نہیں تھا لیکن کالج سے گرجویشن کے بعد وہ افغانستان میں سابق سوویت یوینین کے خلاف جہاد میں شریک ہو گیا۔ 1987ء کے اوائل میں اس نے پہلی مرتبہ پاکستان کا دورہ کیا۔ اس نے پشاور کا سفر کیا جہاں اس کے بھائی زاہد نے اس کا تعارف حزب اتحاد اسلامی کے سربراہ پروفیسر عبدالوہاب رسول سیاف سے کرایا۔ سیاف اس کے اتالیق بن گئے اور اسے اپنے کمپ میں فوجی تربیت فراہم کی۔ خالد شیخ کا دعویٰ ہے کہ اس کے بعد اس نے سوویت یوینین کے خلاف جہاد میں حصہ لیا اور تین ماہ تک مجاز پر رہا۔ اس کے بعد اسے عبداللہ عزام کے لیے انتظامی فرائض کی ادائیگی کے لیے طلب کر لیا گیا۔ بعد ازاں خالد شیخ نے افغان گروپوں کی مواصلاتی ضروریات

پوری کرنے والی ایک کمپنی میں کام شروع کر دیا۔ یہیں پر اسے افغانستان میں عاروں کو کھونے کے لیے ڈرل کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔

1988ء سے 1992ء کے عرصہ میں خالد شخ نے ایک غیر سرکاری سماجی تنظیم (این جی او) کی جگہ آباد اور پشاور میں مدد کی۔ سیاف اس تنظیم کے معاون تھے۔ اس تنظیم کا مقصد نوجوان افغانوں کی مدد کرنا تھا۔ 1992ء میں خالد شخ نے کچھ وقت بوسنیا میں مجاہدین کے ہمراہ گزارا اور ان کے لیے مالی مدد بھی فراہم کی۔ بوسنیا سے واپسی پر قطر کے وزیر برائے مذہبی امور خالد بن حماد الٹھانی کے مشورہ پر اس نے اپنے اہل خانہ کو قطر منتقل کر دیا۔ وہاں اس نے وزارت پانی و بجلی میں پر اجیکٹ انجینئر کا عہدہ سنبھال لیا۔

ہر چند کہ اس دوران میں اس نے بین الاقوامی سفر بھی جاری رکھتے تھے اتنی جس حکام کے مطابق اس کا زیادہ وقت مزید دہشت گردی کی سرگرمیوں میں گرا۔ اس نے اپنی یہ پوزیشن 1996ء کے اوائل تک برقرار رکھی بعد ازاں امریکی حکام کے ہاتھوں گرفتاری سے بچنے کے لیے وہ پاکستان فرار ہو گیا۔

خالد شخ پر امریکی اداروں کی نظر سب سے پہلے اس وقت پڑی جب ولڈر ٹریڈ سنٹر پر دھماکوں میں اس کا کردار بھر کر سامنے آیا۔ خالد کے مطابق انہیں رمزی یوسف سے 1991ء یا 1992ء میں معلوم ہوا کہ وہ امریکہ میں حملے کا خواہاں ہے۔ اس وقت رمزی یوسف افغانستان میں دھماکہ خیز مواد کی تربیت حاصل کر رہا تھا۔ 1992ء میں یوسف کی خالد شخ سے متعدد مرتبہ ٹیلی فون پر گفتگو ہوئی۔ اس دوران رمزی نے اس سے اپنے کام پر پیش رفت پر تبادلہ خیال کیا اور مزید رقم طلب کی۔ 3 نومبر 1992ء کو خالد شخ نے قطر سے اسے 660 ڈالر ارسال کئے۔ جو رمزی کے ساتھی محمد سلامہ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہوئے۔ خالد شخ نے اس کے علاوہ اس آپریشن کے لیے کوئی کام نہیں کیا۔

1993ء میں ولڈر ٹریڈ سنٹر پر حملے کے ارادے نے خالد شخ کو امریکہ کے خلاف کارروائی کی منصوبہ بندی کے لیے اکسیا۔ 1994ء میں خالد شخ، رمزی یوسف اور دیگر دو افراد کے ہمراہ فلپائن گیا اور منصوبہ بندی شروع کر دی۔ اس منصوبے کو میلا ایئر پورٹ یا بوجنکا سازش کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس منصوبے کے تحت امریکہ کے بارہ جمو جیٹ کمرشل طیاروں کو دو دن